(۴۲)

(فرمودہ ۱۲۔ اکتوبر ۱۹۴۲ء بمقام عید گاہ۔ قادیان)

اب رمضان گرمیوں کی طرف آ رہا ہے اور عید کی نماز ایسے وقت پر ہوتی ہے کہ جس میں گرمی زیادہ ہو جاتی ہے اس لئے لازماً کچھ تو خطبوں کو چھوٹا کرنا پڑے گا اور شاید اس غرض کے لئے جگہ بدلنی بھی ضروری ہو یا پھر زائد انتظام سائبانوں کا کرنا پڑے گا اس لئے میں اس کے متعلق منتظمین کو ابھی سے توجہ دلا دیتا ہوں۔ آج بھی باوجود اس کے کہ خدا تعالیٰ نے صبح بارش نازل کر دی تھی کافی گرمی ہے اور دھوپ میں کھڑا ہونا لوگوں کے لئے مشکل ہو رہا ہے۔ پس یا تو سائبان اور خریدے جائیں اور وہ بھی آج کل خریدنے مشکل ہیں یا باغ میں پہلے کی طرح نماز عید ہوا کرے یا پھر بہت جلدی نماز ہو جایا کرے بہرحال آئندہ ان تینوں صورتوں میں سے کوئی ایک صورت اختیار کرنی چاہئے۔

آج میں جماعت کو اس امر کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ عید کا دن جس کے معنی درحقیقت لوٹنے والے دن کے ہیں[1] ہمارے لئے بہت سے سبق رکھتا ہے مگر ان میں سے ایک سبق یہ بھی ہے کہ اسلام میں عید وہی ہوتی ہے جس میں تمام لوگ جمع ہوتے ہیں اور اردگرد کے علاقہ کے لوگ ایک جگہ اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ ہماری جو چھوٹی عید کہلاتی ہے وہ بھی ایسی ہی ہوا کرتی ہے اور جو بڑی عید کہلاتی ہے وہ بھی ایسی ہی ہوا کرتی ہے اور ہمارے جمعہ کا نام ہی جمعہ ہے جس میں لوگوں کے اجتماع کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ اس کے خلاف دوسری قوموں کی عیدیں اس طرح نہیں ہوتیں۔ مثلاً عیسائیوں میں کرسمس کی عید ہوتی ہے اس میں لوگ اس طرح جمع نہیں ہوتے اپنے اپنے گھروں میں رشتہ دار بے شک اکٹھے ہو جاتے ہیں لیکن ہماری عیدوں کی طرح کسی ایک مقام پر سب لوگوں کا اجتماع ضروری نہیں ہوتا۔ اسی طرح بعض اور قوموں میں بے شک بعض مواقع پر اجتماع ہوتا ہے مثلاً دسہرہ وغیرہ ہے مگر وہ اجتماع مذہب کا حصہ نہیں ہوتا۔ یعنی ان کے مذہب نے یہ حکم نہیں دیا ہوتا کہ دسہرے پر اکٹھے ہو جاؤ بلکہ اس دن وہ ایک کھیل کھیلتے ہیں اور اس کھیل کو دیکھنے کے لئے لوگ آ جاتے ہیں۔ یوں تو بندر

نچانے والا بھی جب بندر نچاتا ہے تو لوگ اس کے اردگرد جمع ہو جاتے ہیں مگر اس کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ بندر نچانے والے کا یا اکٹھے ہونے والے لوگوں کا مذہب اور عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ اس موقع پر انہیں اکٹھے ہو جانا چاہئے۔ اسی طرح لوگ تھیٹروں میں جمع ہو جاتے ہیں مگر اس کے یہ معنے نہیں ہوتے کہ جو لاہور کے ساکن ہیں یا امرتسر کے ساکن ہیں یا راولپنڈی کے ساکن ہیں یا سیالکوٹ کے ساکن ہیں ان سب کا عقیدہ ہے کہ ہر روز رات کے نو بجے تھیٹر دیکھنے کے لئے جمع ہو جانا چاہئے۔ یہاں عقیدے کا کوئی سوال نہیں بلکہ ایک تماشہ دیکھنا ان کے مدنظر ہوتا ہے اور اسی غرض کے لئے وہ جمع ہوتے ہیں۔

پس دسہرے وغیرہ پر جو اجتماع ہوتا ہے اس سے یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہئے کہ وہ کوئی قومی یا مذہبی اجتماع ہوتا ہے بلکہ وہ انفرادی اجتماع ہوتا ہے اور ہر شخص اپنی طبیعت' اپنے شوق' اپنے رجحان طبع اور اپنی اغراض کے مطابق آ جاتا ہے خدا نے یہ حکم نہیں دیا ہوتا کہ وہاں سب لوگ جمع ہو جائیں۔ یا مثلاً دیوالی ہوتی ہے جس کے آنے پر گھروں اور بازاروں میں دیئے جلائے جاتے ہیں یہ بھی ایسی ہی چیز ہے۔ میں ایک دفعہ دیوالی کے موقع پر لاہور میں تھا اور میں نے دیکھا کہ لوگوں کے اژدھام کی وجہ سے راستے میں چلنا مشکل ہو گیا مگر پھر بھی جو لوگ اس دن جمع ہوتے ہیں وہ ایک تماشہ کے طور پر جمع ہوتے ہیں اس لئے جمع نہیں ہوتے کہ خدا تعالیٰ کا حکم ہے کہ جاؤ اور انارکلی میں جمع ہو جاؤ۔ یا جاؤ اور شہر کے کسی اور بازار میں جمع ہو جاؤ بلکہ جمع ہونا ان کی اپنی مرضی پر منحصر ہوتا ہے۔ جس کا دل چاہتا ہے چلا جاتا ہے اور جس کا دل نہیں چاہتا نہیں جاتا۔ لیکن ہم لوگ جو اس جگہ پر جمع ہوتے ہیں محض خدا تعالیٰ کے حکم اور اس کے ارشاد کے ماتحت جمع ہوتے ہیں۔ پس اس لحاظ سے صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس نے لوگوں کو ایک خاص جگہ جمع ہونے کا حکم دیا ہے اور اسی کا نام اس نے عید رکھا ہے۔ چنانچہ رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں جمعہ ہمارے لئے عید ہے [۲] اور عید کا نام تو عید ہے ہی گویا اسلام ایک ایسا مذہب ہے جس نے قوم کے جمع ہونے کا نام عید رکھا ہے۔ بظاہر یہ ایک معمولی بات معلوم ہوتی ہے لیکن درحقیقت اس میں ایک بہت بڑا نکتہ پوشیدہ ہے۔ لوگ آج کل جتھوں پر اور قوموں پر اور حکومتوں کے اجتماع پر بڑا زور دیتے ہیں مگر سوال یہ ہے کہ اس اجتماع کے ساتھ ان کے مذہب کا کس حد تک تعلق ہے۔ اس نقطہ نگاہ کے ساتھ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ ان کا مذہب انہیں یہ تعلیم نہیں دیتا کہ ساری قوم ایک خاص دن ایک

خاص مقام پر جمع ہو جایا کرے اور خاص طور پر اللہ تعالیٰ کی عبادت بجالایا کرے یہ صرف اسلام ہی ہے جس نے جمعہ کے علاوہ سال میں دو دن ایسے رکھے ہیں جس میں تمام شہر کے لوگوں کو ایک جگہ جمع ہونے کا حکم دیا ہے۔ پھر اس میں بھی اسلامی اجتماع کو ایک خاص خصوصیت حاصل ہے۔ بے شک جمعہ کو دوسری قوموں کے بعض دنوں سے اشتراک حاصل ہے۔ مثلاً بعض اقوام سبت کو قابل احترام سمجھتی ہیں، بعض اتوار کے دن مندروں اور گرجوں میں عبادت کرنا ضروری سمجھتی ہیں مثلاً عیسائی ہیں ان میں سے اکثر اتوار کے دن گرجے میں ضرور عبادت کرتے ہیں اسی طرح ہندو بھی اتوار کو اپنے اپنے مندروں میں عبادت کرتے ہیں مگر اس میں بھی ہمیں ایک اور فرق نظر آتا ہے جو اسلام کو امتیاز عطا فرماتا ہے اور وہ یہ کہ اسلامی مسئلہ یہ ہے کہ جمعہ کے دن تمام شہر کے لوگ ایک ہی مسجد میں جو جامع مسجد یا بڑی مسجد کہلاتی ہے جمع ہوں ؏ مگر ہندوؤں اور عیسائیوں میں ایسی کوئی شرط نہیں۔ ہندو ہر مندر میں جمع ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح عیسائی اتوار کو ہر گرجے میں جا کر عبادت کر سکتے ہیں انہیں مذہبی لحاظ سے یہ حکم نہیں کہ وہ ایک مندر میں جمع ہوں یا ایک گرجے میں عبادت کے لئے اکٹھے ہوں لیکن اسلام نے یہ مسئلہ بتایا ہے کہ جمعہ کے دن شہر کے تمام لوگ ایک ہی مسجد میں اکٹھے ہوں اور سب مل کر اللہ تعالیٰ کی عبادت بجا لائیں۔ پس اسلام کے نزدیک حقیقی خوشی وہ ہے جب تمام لوگ جو ایک جتھے اور گروہ میں شامل ہوں ایک جگہ جمع ہو جائیں اور پھر اس اجتماع کی یہ خصوصیت رکھی کہ اس میں بڑے اور چھوٹے کا کوئی فرق نہیں۔ مسجد میں اگر کوئی بڑے سے بڑا آدمی بھی بیٹھا ہو اس کے ساتھ اسی دن کا نَو مسلم جو خاکروبوں یا ساہنسیوں میں سے آیا ہو کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکتا ہے چاہے وہ بڑا آدمی بادشاہ ہی کیوں نہ ہو۔ یہ خیال نہیں کرنا چاہیئے کہ یہ محض مسلمانوں کا عقیدہ ہے اس پر کبھی عمل نہیں ہوا کیونکہ واقعہ یہ ہے کہ شروع سے مسلمانوں نے اس پر نہایت سختی سے عمل کیا ہے۔ چنانچہ میں نہیں کہہ سکتا اب وہ جگہ ہے یا نہیں ممکن ہے وہ جگہ گرا دی گئی ہو مگر جب میں عرب ممالک میں گیا تو اُس وقت میں نے دیکھا کہ ایک مسجد کی ایک جہت میں ایک حجرہ بنا ہوا تھا اور اس کے ارد گرد کٹہرا لگا ہوا تھا۔ میں نے بعض لوگوں سے اس کے متعلق دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ پرانے زمانہ میں جب بادشاہ آتے تھے تو وہ اس حجرہ میں نماز پڑھا کرتے تھے اور اس کی وجہ انہوں نے یہ بتائی کہ ایک دفعہ کوئی بادشاہ آیا اور اس کے ساتھ ہی ایک کنّاس یعنی جھاڑو دینے والا بیٹھ گیا۔ اس کے نوکروں نے اسے ہٹانا چاہا تو سب مسلمان اور

قاضی پیچھے پڑ گئے اور انہوں نے کہا کہ یہ خدا کی مسجد ہے یہاں چھوٹے اور بڑے کا کوئی سوال نہیں۔ چنانچہ اس کو تو نہ اٹھایا گیا مگر بادشاہ پر اس کا ایسا اثر ہوا کہ اس نے جگہ بدل کر پیچھے کی طرف اپنے لئے حجرہ بنوالیا۔ میں نے جب یہ واقعہ سنا تو اپنے دل میں کہا کہ اسلام کے ایک حکم کی بے حرمتی کی وجہ سے خدا تعالیٰ نے آئندہ اس سے مسجد میں نماز پڑھنے کی توفیق چھین لی کیونکہ جس جگہ حجرہ بنایا گیا تھا وہ مسجد کا حصہ نہیں تھا بہرحال مسلمانوں نے نہایت سختی سے اس حکم پر عمل کیا ہے۔ دیگر بہت سی باتوں میں انہوں نے امتیازات قائم کر لئے ہیں مثلاً رشتوں ناطوں کا ان میں امتیاز پایا جاتا ہے' قومیت کا ان میں امتیاز پایا جاتا ہے' باہمی معاملات میں ان میں امتیاز پایا جاتا ہے' امیر اور غریب کا ان میں امتیاز پایا جاتا ہے' سید دوسری قوموں کو ذلیل سمجھتے ہیں اور بعض دوسری قوموں کے افراد سیدوں کو ذلیل سمجھتے ہیں اور اس طرح ان میں کئی قسم کے امتیازات پائے جاتے ہیں۔ میں نے یہاں ایک دفعہ ایک کشمیری لڑکی کا ایک غیر ملکی معزز سمجھی جانے والی قوم کے لڑکے سے رشتہ طے کیا جب لڑکی کی نانی کو معلوم ہوا تو وہ اپنے سر پر ہاتھ مار کر کہنے لگی کہ ہمارے لئے اب کذات ہی رہ گئے ہیں۔ اسی طرح ایک دفعہ ایک دوست میرے پاس آئے اور کہنے لگے آپ میری ہمشیرہ کے لئے کوئی رشتہ تلاش کر دیں۔ اور یہ بھی کہا کہ والد صاحب نے بھی یہی کہا ہے کہ میری لڑکی کا رشتہ آپ ہی کہیں کریں۔ میں نے کہا آپ کی کوئی شرط ہو تو مجھے بتا دیں تاکہ رشتہ کی تلاش کے وقت اس شرط کو ملحوظ رکھا جائے۔ کہنے لگے شرط کی کوئی ضرورت نہیں لڑکا متقی ہو اور اچھے خاندان میں سے ہو۔ میں نے کہا "اچھا خاندان" بڑے وسیع معنی رکھتا ہے اور پھر میں نے انہیں یہی واقعہ سنایا کہ ایک کشمیری لڑکی کا میں نے ایک جگہ رشتہ طے کیا اور وہ لڑکا میرے نزدیک معزز اقوام میں سے تھا مجھے اب یاد نہیں وہ سید تھا یا پٹھان تھا بہرحال وہ ایسی ہی قوم میں سے تھا جو بڑی سمجھی جاتی ہے مگر اس لڑکی کی نانی کو جب معلوم ہوا تو وہ کہنے لگی اب ہمارے لئے کذات ہی رہ گئے ہیں۔ تو میں نے کہا آپ بھی بتا دیجئے کہ آپ کس کو کذات سمجھتے ہیں اور کس کو اچھی ذات والا سمجھتے ہیں تاکہ آپ کے منشاء کے مطابق رشتہ تلاش کیا جائے۔ کہنے لگے کچھ نہیں صرف تقویٰ ہو اور لڑکا اچھی قوم سے تعلق رکھتا ہو۔ میں نے پھر کہا کہ اچھی قوم سے آپ کی کیا مراد ہے اور میں نے خود ہی اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ ہمارے ملک میں دو قسم کی قومیں معزز سمجھی جاتی ہیں۔ ایک قومیں تو وہ ہیں جو ہندوستان کے اندر رہنے والی ہیں اور کچھ قومیں وہ ہیں جو باہر سے

ہندوستان میں آئی ہیں۔ ہمارے ملک میں عام طور پر برہمنوں اور راجپوتوں کو بڑا سمجھا جاتا ہے اور جو قومیں باہر سے آئی ہیں ان میں سید' قریشی' مغل اور پٹھان اچھے سمجھے جاتے ہیں یہ چار قومیں ہیں جو باہر سے ہندوستان میں آئی ہیں جو افغانستان اور ایران سے آئے ہیں۔ وہ پٹھان کہلاتے ہیں جو ترکوں میں سے آئے ہیں وہ مغل کہلاتے ہیں اور جو عرب میں سے آئے ہیں وہ سید اور قریش کہلاتے ہیں۔ چاہے حقیقت میں وہ سید ہوں یا نہ ہوں' قریشی ہوں یا نہ ہوں' وہ کہتے اپنے آپ کو یہی ہیں۔ اسی طرح کچھ ہندوستانی قومیں ہیں جو بڑی سمجھی جاتی ہیں برہمن اور کھشتری اعلیٰ سمجھے جاتے ہیں اور دیش اور شودر ادنیٰ سمجھے جاتے ہیں۔ پس آپ بتا دیں کہ آپ ان میں کس کو اعلیٰ سمجھتے ہیں اور کس کو ادنیٰ تاکہ آپ کے منشاء کے مطابق رشتہ تلاش کیا جائے۔ جب میں نے اس طرح نام بنام قوموں کو گنایا اور ان سے پوچھا کہ آپ کے لئے کیسا رشتہ ہو؟ سید ہو' قریشی ہو' مغل ہو' پٹھان ہو' برہمن ہو' راجپوت ہو تو وہ کہنے لگے کوئی ہو قریش ہو' مغل ہو' پٹھان ہو' برہمن ہو' راجپوت ہو' سید کا لفظ وہ چھوڑ گئے۔ اس پر میرے دل میں شُبہ پیدا ہوا کہ انہوں نے سید کا لفظ جان بوجھ کر چھوڑا ہے یا غلطی سے چھوڑ دیا ہے مگر میں نے اس بارہ میں ان سے سوال کرنا مناسب نہ سمجھا اور کہا کہ میں پھر دُہرا دیتا ہوں آپ اچھی طرح غور کر لیں اور اپنے والد صاحب سے بھی دریافت کر لیں۔ ہمارے ملک میں باہر سے جو اقوام آئی ہیں ان میں سید' قریش' مغل اور پٹھان معزز سمجھے جاتے ہیں اور جو یہاں کے رہنے والے ہیں ان میں برہمن اور راجپوت معزز سمجھے جاتے ہیں کیا آپ ان اقوام میں سے رشتہ کو پسند کریں گے۔ اس پر کہنے لگے کوئی ہو قریشی ہو' مغل ہو' پٹھان ہو' برہمن ہو' راجپوت ہو اور دوبارہ سید کا لفظ انہوں نے چھوڑ دیا۔ میں نے انہیں کہا کہ میرے دل میں ایک شُبہ پیدا ہوا ہے اور وہ یہ کہ میں نے دونوں دفعہ سیدوں کا پہلے نام لیا ہے کیونکہ وہ رسول کریم ﷺ کی اولاد میں سے ہیں مگر آپ نے دونوں دفعہ سید کا لفظ چھوڑ دیا ہے کیا آپ نے سید کا لفظ سہواً چھوڑا ہے یا ارادۃً نام نہیں لیا۔ کہنے لگے ارادتاً ہی میں نے سید کا نام نہیں لیا؟ میں نے کہا کیوں؟ آخر سیدوں کا کیا قصور ہے۔ ہنس کر کہنے لگے ہمارے ہاں تو سید فقیر اور منگتے ہی سمجھے جاتے ہیں۔ تو لوگوں نے قوموں میں امتیازات کئے اور خوب کئے وہ خود پٹھان تھا مگر اپنی بہن کی کسی سید سے شادی کرنا ذلّت اور رسوائی کا موجب سمجھتا تھا۔ دوسری طرف میں نے بتایا کہ ایک کشمیری لڑکی کا میں نے ایک ہندوستان سے باہر سے آنے والی معزز قوم سے رشتہ تجویز

کیا تو اس کی نانی کہنے لگی کہ اب ہمارے لئے کذات ہی رہ گئے ہیں۔ گویا ہر ایک نے دوسرے سے بدلہ لے لیا۔ ایک نے دوسرے کو کذات کہہ دیا اور دوسرے نے پہلے کو کذات قرار دے دیا۔ سیدوں نے دوسری قوموں کو ذلیل سمجھا اور دوسری قوموں نے سیدوں کو فقیر اور منگتے کہہ دیا۔ بہر حال مسلمانوں میں تفریق ہوئی اور ان میں سے کچھ اچھے بن گئے اور کچھ ادنیٰ سمجھے جانے لگے حالانکہ اسلام نے اس تفریق کو قائم نہیں کیا۔ اسی طرح عہدوں اور امارتوں کے متعلق مسلمانوں میں امتیاز کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ فلاں خاندان اچھا ہے اور فلاں نہیں۔ مگر نماز میں آج کل کے بگڑے ہوئے مسلمان بھی فرق نہیں کرتے اور وہ اس امر کو برداشت نہیں کر سکتے کہ مسجد میں چھوٹے اور بڑے کا سوال قائم ہو۔ چنانچہ تم لاہور کی شاہی مسجد یا دہلی کی جامع مسجد میں جا کر دیکھ لو وہاں اب بھی کسی امیر زادے کی یہ جرأت نہیں ہوتی کہ کسی مسلمان کو وہ یہ کہہ سکے کہ یہاں سے ہٹ جاؤ۔ [۴] اگر وہ اپنی عزت رکھنا چاہے تو اس کے لئے ایک ہی راستہ ہوتا ہے اور وہ یہ کہ آپ پیچھے ہٹ جائے۔ چنانچہ کئی متکبر اس طرح کرتے اور اس طرح پہلی صف کے ثواب سے محروم ہو جاتے ہیں۔ [۵] وہ پیچھے تو اس لئے ہٹتے ہیں تا ان کی چودھراہٹ قائم رہے مگر حقیقتاً ان کا اپنا ہی نقصان ہوتا ہے وہ اول صف کے انعامات سے محروم ہو جاتے ہیں اور ایک گوشے میں بیٹھنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

اس موقع پر گو یہ بے تعلق سی بات ہے میں یہ کہنے سے نہیں رہ سکتا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خاندان کے افراد اکثر اس ثواب سے محروم رہتے ہیں چنانچہ جمعہ میں جب بھی میری نظر پڑتی ہے میں انہیں آخری صفوں میں بیٹھا ہوا دیکھتا ہوں حالانکہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص پہلی صف میں شامل ہوتا ہے اسے اونٹ کی قربانی کا ثواب ملتا ہے اور جو شخص بعد میں آتا ہے اسے اس سے کم ثواب ملتا ہے یہاں تک کہ ہوتے ہوتے مرغی کی قربانی تک کا ثواب رہ جاتا ہے۔ [۶] گویا تدریجاً ثواب کم ہوتا چلا جاتا ہے اور بعد میں آنے والوں کو بہت ہی کم اس ثواب میں سے حصہ ملتا ہے۔ یہ کہ اتفاقاً کبھی پیچھے آئے اور پیچھے بیٹھ گئے یہ اور بات ہے مگر جس چیز کو رسول کریم ﷺ نے ثواب کا موجب قرار دیا ہے اس سے عادتاً پیچھے رہنا بڑی بھاری محرومی کی دلیل ہے۔ مومن کو تو جتنا ہو سکے ثواب کے کاموں میں آگے بڑھنا چاہئے نہ کہ پیچھے ہٹنا چاہئے۔ ایک دفعہ ایک صحابی جنازہ کے لئے گئے تو کسی دوسرے صحابی نے بیان کیا رسول کریم ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ جو شخص جنازہ پڑھتا اور

پھر واپس آ جاتا ہے اسے ایک قیراط کے برابر ثواب ملتا ہے مگر جو شخص جنازہ پڑھنے کے بعد دفنانے تک ساتھ رہتا ہے اسے دو قیراط ثواب ملتا ہے اور قیراط جانتے ہو کتنا ہوتا ہے؟ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ایک قیراط احد پہاڑ کے برابر ہوگا۔ دوسرے صحابی نے جب یہ بات سنی تو بڑی حسرت اور افسوس سے کہا تم نے یہ حدیث ہمیں پہلے کیوں نہ بتائی۔ معلوم نہیں ہم آج تک کتنے احد پہاڑ جتنے ثواب حاصل کرنے سے محروم رہ گئے ہیں۔ ۷؎ تو جب بھی توفیق ملے اور ممکن ہو پہلی صفوں میں جگہ حاصل کرنی چاہئے۔ میں نے سنا ہے ان میں سے بعض کا یہ خیال ہے کہ ہم اس حصہ مسجد میں بیٹھنا زیادہ پسند کرتے ہیں ۸؎ جس حصہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز پڑھا کرتے تھے مگر اس حصہ میں بھی پہلی صفیں ہیں اور اس حصہ میں بھی آخری صفیں ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ایک حد تک ایسی تقدیم جائز ہو سکتی ہے گو اس حد تک اس تقدیم پر زور دینا کہ یہ خود ایک مرض بن جائے درست نہیں۔ مگر بہرحال اس میں بھی پہلی صفیں ہیں اور انسان کو چاہئے کہ ان پہلی صفوں میں بیٹھے جہاں خود حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز پڑھا کرتے تھے ان پچھلی صفوں میں کیوں بیٹھے جہاں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز نہیں پڑھا کرتے تھے۔

غرض میں یہ بتا رہا تھا کہ رسول کریم ﷺ نے مساجد میں پوری مساوات قائم کی ہے اور مسلمانوں نے بھی آج تک اس حکم پر نہایت سختی سے عمل کیا ہے گو اور کئی باتوں میں مسلمانوں نے اسلامی احکام کو نظرانداز کر دیا ہے مگر اس حکم کی تعمیل میں انہوں نے آج تک کوئی فرق نہیں کیا اور مسجد میں چھوٹے اور بڑے میں کبھی کوئی امتیاز نہیں کیا جاتا۔ گو بعض دفعہ ایسا ہو سکتا ہے کہ کسی مشتبہ یا غیر معروف آدمی کو امام کے پیچھے کھڑا ہونے سے روک دیا جائے۔ غیر معروف ممکن ہے مخلص ہی ہو مگر چونکہ اسے لوگ نہیں جانتے اس لئے مشتبہ کے علاوہ غیر معروف شخص کو بھی بعض دفعہ امام کے پیچھے کھڑا ہونے سے روکا جا سکتا ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں ایسا ہوا کرتا تھا اور اب بھی ہو سکتا ہے۔ مگر یہ امتیاز نہیں بلکہ احتیاط ہے اور ایسے شخص کو بھی پہلی صف میں کھڑا ہونے سے نہیں روکا جا سکتا۔ یہ تو ہو سکتا ہے کہ اسے کسی خاص مقام پر کسی مصلحت کی وجہ سے کھڑا نہ ہونے دیا جائے مگر پہلی صف سے اسے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس بارہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں یہ قاعدہ تھا اور اب بھی ایسا ہی ہوتا ہے کہ مخلص اصحاب سے یہ امید کی جاتی ہے کہ

وہ پہلے ہی امام کے پیچھے آکر بیٹھ جائیں گے اور اس طرح بجائے اس کے کہ دوسرے کو اس کی جگہ سے اٹھایا جائے خود بخود وہ اس جگہ نہیں بیٹھتا اور اسے یہ کہنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی کہ آپ یہاں سے اٹھ جائیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں بعض لوگ کئی کئی گھنٹے پہلے آکر مسجد میں بیٹھ رہتے تھے اور اس طرح انہیں دوسروں کو اٹھانے کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی تھی۔

یہ مساوات جو اسلام نے قائم کی ہے ہم کو بتاتی ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کی عید اسی بات میں ہے کہ سارے مسلمان اکٹھے ہو جائیں اور ان میں مساوات قائم کر دی جائے۔ اب ایک قسم کے امتیازات تو ہم کسی صورت میں مٹا نہیں سکتے مثلاً کوئی لمبے قد کا ہوتا ہے اور کوئی چھوٹے قد کا ہوتا ہے، کوئی تندرست ہوتا ہے اور کوئی بیمار ہوتا ہے یہ امتیاز ہمارے اختیار کا نہیں اور اسے ہم کسی صورت میں مٹا نہیں سکتے۔ لیکن ایک اور مساوات ہے جسے ہم کوشش کر کے رائج کر سکتے اور اس لحاظ سے تمام مسلمانوں میں مساوات قائم کر سکتے ہیں اور وہ یہ کہ خدا تعالیٰ نے ہماری ہدایت کے لئے قرآن کریم نازل فرمایا ہے پس مسلمانوں میں مساوات قائم کرنے کے معنی یہ ہیں کہ ہر مسلمان کو قرآن کریم آتا ہو اور وہ اس کا مفہوم اور مطلب اچھی طرح سمجھتا ہو۔ میرے نزدیک اگر کوئی شخص سچے دل سے اسلام کو قبول کرے تو وہ قرآن کریم کے سمجھنے اور اس کے مفہوم کو جاننے سے محروم رہ ہی نہیں سکتا کیونکہ قرآن سب سے بڑی دولت ہے اور کوئی سچا مسلمان یہ کس طرح پسند کر سکتا ہے کہ اس کا گھر اس دولت سے خالی ہو۔

حضرت خلیفہ اول سنایا کرتے تھے کہ ایک بُڑھیا جو بڑی نیک تھی۔ میں کبھی کبھی اس کے پاس جایا کرتا تھا۔ ایک دفعہ میں نے اس سے پوچھا کہ مائی تمہیں کسی چیز کی ضرورت ہو تو مجھے بتا دو میں وہ چیز تمہیں مہیا کرنے کے لئے تیار ہوں۔ وہ کہنے لگی پُترّ مجھے بڑا آرام ہے کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ فرماتے تھے میں نے پھر اصرار کیا اور کہا کہ آخر کچھ تو بتائیں مگر وہ ہر بار یہی کہتی کہ مجھے بڑا آرام ہے، ہر طرح کا سکھ ہے اور کسی قسم کی تکلیف نہیں۔ پھر کہنے لگی ہم صرف ماں بیٹا ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں صبح و شام دو روٹیاں بھیج دیتا ہے ایک روٹی میں کھا لیتی ہوں اور ایک روٹی میرا بیٹا کھا لیتا ہے پھر ہم اکٹھے ایک چارپائی پر ہی سو جاتے ہیں کیونکہ ہمارے پاس صرف ایک رضائی ہے جب میری ایک طرف ٹھنڈی ہو جاتی ہے تو میں کہتی ہوں بیٹا کروٹ

بدل لو اور وہ کروٹ بدل لیتا ہے جس سے وہ پہلو بھی گرم ہو جاتا ہے۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد جب اس کا پہلو ٹھنڈا ہو جاتا ہے تو وہ مجھ سے کہہ دیتا ہے کہ ماں اپنی کروٹ بدل لے اور میں کروٹ بدل لیتی ہوں جس سے اسے آرام آ جاتا ہے پس ہمیں کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ آپ فرماتے تھے میں نے پھر اصرار کیا اور کہا کہ نہیں کوئی ضرورت ہو تو بتا دیں۔ آخر جب میں نے بہت ہی اصرار کیا تو وہ کہنے لگی جب آپ نے ضرور کچھ دینا ہے تو میری صرف اتنی خواہش ہے کہ میری نظر اب بڑھاپے کی وجہ سے کمزور ہو گئی ہے اور پہلا قرآن مجھ سے اب اچھی طرح پڑھا نہیں جاتا کیونکہ اس کے حروف باریک ہیں آپ نے مجھے کچھ دینا ہی ہے تو موٹے حرفوں والا قرآن لا کر دے دیں تا کہ میں اسے آسانی سے پڑھ سکوں۔ تو سچی بات یہ ہے کہ ایک مومن کے لئے سب سے بڑی نعمت قرآن کریم ہے اور اسی کے ذریعہ ہم میں ظاہری رنگ میں مساوات قائم ہو سکتی ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ ہم میں اور ہمارے دوسرے بھائیوں میں یہ مساوات پائی جاتی ہے یا نہیں۔ ہمیں تو دکھائی دیتا ہے کہ اس لحاظ سے ابھی ہم میں بہت بڑا فرق ہے۔ ہم پر خدا تعالیٰ کے افعال کھلے ہوئے ہوتے ہیں' اس کی کرشمہ سازیاں ظاہر ہوتی ہیں' معجزات کی حقیقت کو ہم سمجھتے ہیں اور خدا تعالیٰ اپنے بندوں سے جس رنگ میں محبت کرتا ہے اسے ہم جانتے ہیں' اس کی صفات کا ہمیں علم ہوتا ہے' اس کی قدرتوں سے ہم واقف ہوتے ہیں مگر ہمارے ہمسائے میں ہی ایک اور شخص بیٹھا ہوا ہوتا ہے جسے ان باتوں میں سے کسی کا بھی علم نہیں ہوتا حالانکہ اگر یہ چیز قائم ہو جائے تو سب نقائص مٹ جائیں۔ لوگ کہتے ہیں فلاں کو فاقہ آتا ہے اور دوسرے پیٹ بھر کر کھانا کھاتے ہیں۔ بے شک یہ ایک نقص کی بات ہے اور اسے دور کرنا چاہئے مگر یہ فاقہ آخر اسی لئے آتا ہے کہ ہم میں ابھی قرآنی مساوات قائم نہیں ہوئی۔ اگر یہ مساوات قائم ہو جائے تو ہر شخص کا براہ راست اللہ تعالیٰ سے تعلق ہو جائے اور جو شخص خدا تعالیٰ کا بندہ بن جاتا ہے اس کی روٹی میرے اور تمہارے ذمہ نہیں رہتی بلکہ خدا اس کی روٹی کا خود ذمہ دار ہو جاتا ہے۔ اگر ساری دنیا کے لوگ ہی شبلیؒ [۹] اور جنیدؒ [۱۰] بن جائیں تو ان کے لئے یہ سوال کہاں باقی رہے گا کہ ہم ان کے گزارہ کے لئے وظائف مقرر کریں ان کو تو خدا خود اپنے پاس سے رزق پہنچائے گا۔ چاہے لوگوں کے دلوں میں تحریک کر کے رزق پہنچائے یا غیب سے ان کے لئے سامان پیدا کر دے۔ بہرحال ان دونوں راستوں میں سے جس راستہ سے چاہے وہ انہیں رزق پہنچا سکتا ہے۔ وہ اپنے بندوں کو اس طرح بھی رزق دیتا

ہے کہ اس رزق میں کسی انسان کا دخل نہیں ہوتا اور بعض دفعہ بندوں کے ذریعہ ہی انہیں رزق پہنچا دیتا ہے مگر اس صورت میں بھی ہاتھ ان کا ہی اونچا رہتا ہے کیونکہ بعض چیزیں بعض کی نسبت سے اچھی سمجھی جاتی ہیں اور اگر وہ نسبت قائم نہ رہے تو ان کی خوبی بھی زائل ہو جاتی ہے۔ چنانچہ کئی لوگ صرف اس لئے اچھے سمجھے جاتے ہیں کہ انہوں نے کسی بزرگ کی خدمت کی ہوئی ہوتی ہے اب ایسے بزرگ سے جو کوئی تعلق رکھے گا اور اس کی خدمت بجا لائے گا وہ یہ نہیں سمجھے گا کہ میں نے احسان کیا بلکہ وہ یہ سمجھے گا کہ مجھ پر احسان کیا گیا ہے۔ قصہ مشہور ہے کہ کوئی بادشاہ تھا وہ کسی بزرگ کے گھر اس سے ملنے کے لئے گیا اور اس کے ایک لڑکے سے پیار کرتے ہوئے کہنے لگا۔ بتاؤ لڑکے تمہارے باپ کا گھر اچھا ہے یا میرا۔ لڑکا بڑا ذہین تھا وہ کہنے لگا امیرالمومنین اس وقت تو میرے باپ کا گھر زیادہ اچھا ہے کیونکہ امیرالمومنین اس میں موجود ہیں۔ تو دیکھو کوئی انسان ایسا بھی ہوتا ہے جسکے ساتھ تعلق ہونے سے انسان کی عزت بڑھتی ہے اور اس کی شان میں اضافہ ہوتا ہے۔ وہ اسلامی امیرالمومنین نہیں تھا مگر بہرحال بادشاہ ہونے کی وجہ سے اس لڑکے نے یہی کہا کہ اس وقت میرے باپ کا گھر زیادہ اچھا ہے کیونکہ آپ اس میں موجود ہیں تو دنیا میں بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کو لوگ جب کچھ دیتے ہیں تو ان پر احسان کرتے ہیں مگر بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کو دینے کے باوجود دینے والے پر احسان ہوتا ہے۔ اس شخص پر کوئی احسان نہیں ہوتا جسے دیا گیا ہوتا ہے وہ اپنی عزت اور اپنا شرف اسی بات میں سمجھتے ہیں کہ یہ نسبت قائم رہے کہ ہم نے فلاں کی خدمت کی۔ جیسے اس لڑکے نے کہا کہ اس وقت میرے باپ کا گھر زیادہ اچھا ہے۔ یعنی دیواریں تو بادشاہ کے مکان کی اچھی ہیں مگر شرف چونکہ ایک خاص آدمی کی وجہ سے ہے اور وہ اس وقت ہمارے گھر میں ہے اس لئے ہمارا گھر زیادہ بہتر ہے۔ اسی طرح مالدار کا شرف مال میں نہیں بلکہ اس کا شرف اس بات میں ہے کہ اسے خدا تعالیٰ کے راستہ میں اپنا مال خرچ کرنے کی توفیق کس حد تک ملی ہے۔ اگر خدا تعالیٰ کی راہ میں اسے اپنا مال خرچ کرنے کی توفیق حاصل ہو گئی ہے تو اس کا مال اس کے لئے شرف کا موجب ہے اور اگر یہ توفیق اسے حاصل نہیں ہوئی تو اس کا مال اس کے لئے شرف کا موجب نہیں سمجھا جا سکتا۔ غرض اگر ہم میں سے ہر ایک کو قرآن کریم آ جائے اور اس دولت سے ہماری جماعت کا ہر فرد متمتع ہو جائے تو ہم بہت حد تک اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو جائیں۔ پھر یہ بھی سمجھ لو کہ اگر سارے لوگ ہی قرآن کریم جاننے

والے ہوں تو الا ماشاء اللہ بہت سے جرائم' ظلم' فسادات اور جھگڑے آپ ہی آپ کم ہو جائیں گے کیونکہ جہاں نور ہو وہاں ظلمت نہیں رہ سکتی۔ ایک چھوٹا سا دیا تم جلاتے ہو جس کی روشنی نہایت دھندلی سی ہوتی ہے مگر پھر بھی اس دیئے کے جلتے ہی اس کمرے کی ظلمت فوراً دور ہو جاتی ہے پھر کس طرح ہو سکتا ہے کہ قرآن کریم جو خدا کا دیا ہے وہ کسی گھر میں روشن ہو اور وہاں ظلمت باقی رہ جائے۔ اگر قرآن ہمارے دلوں میں آجائے تو تمام ظلمتیں خود بخود کافور ہونا شروع ہو جائیں گی اور نیکی اور تقویٰ کا بیج اس طرح بویا جائے گا کہ آئندہ نسلیں بھی اسی رنگ میں رنگین ہو جائیں گی۔ پس مساوات کا سبق جو اس عید سے ملتا ہے وہ ہم میں سے ہر شخص کو یاد رکھنا چاہئے اور ہر شخص کو کوشش کرنی چاہئے کہ اس کی بیوی بچے رشتہ دار اور ہمسائے سب قرآن کریم کا ترجمہ جاننے والے ہوں۔ اگر ایسا ہو جائے تو ہم میں ایک ایسی دینی مساوات قائم ہو جائے گی جو جماعت کی روحانی ترقی کے لئے خاص طور پر مفید ہوگی اور جس کے نتیجہ میں خود بخود بدیوں کا استیصال اور نیکی کا قیام ہوتا چلا جائے گا کیونکہ قرآن کریم جاننے والا اپنی ذمہ داریوں کو بھی سمجھے گا' ظلموں سے بھی بچے گا' نیکیوں کے حاصل کرنے کی بھی کوشش کرے گا اور اسلامی تعلیم کو بھی قائم کرنے کی جدوجہد کرے گا اور درحقیقت اسلامی تعلیم کا قیام ہی ہمارا اصل مقصد ہے۔ [لہ] پس آج کے دن میں جماعت کے دوستوں کو اس امر کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ وہ کوئی ایسی سکیم سوچیں جس سے ہر احمدی قرآن کریم کا ترجمہ جاننے لگے۔ اگر ہم اس بات میں کامیاب ہو جائیں تو میں یقین رکھتا ہوں کہ دنیا کی کوئی طاقت ہم کو مٹا نہیں سکتی۔ قرآن کریم ایک زِرہ ہے جس کو توڑنے کے لئے کوئی تلوار نہ آج تک بنی ہے اور نہ قیامت تک بن سکتی ہے۔ اگر یہ زِرہ ہماری جماعت کے ہر فرد کو میسر آجائے تو ہماری مثال بالکل ویسی ہی ہو جائے جیسے ہندو دیوتاؤں کے متعلق کہانیوں میں بیان کیا جاتا ہے کہ تلواریں ایک ایک کر کے ٹوٹ جاتی تھیں مگر ان کے جسموں پر ان تلواروں کا کوئی اثر نہیں ہوتا تھا۔ اگر ہم میں سے ہر شخص سچے معنوں میں قرآن کریم کا حامل ہو' اس کی تعلیم پر عمل کرتا ہو اور اس کا نور اس کے دل و دماغ میں سرایت کر چکا ہو تو دنیا اسے خواہ کتنی ہی تلواریں مارے تلواریں ٹوٹ جائیں گی مگر وہ اس کے دل کو نہیں توڑ سکیں گی جو خدا تعالیٰ کی محبت اور قرآن کریم کے معارف کا جلوہ گر ہوگا کیونکہ وہ دل خدا کے نور کا گھر ہوگا اور خدا یہ پسند نہیں کر سکتا کہ وہ گھر برباد ہو جس گھر میں اس کا نور جلوہ گر ہو۔ کیا تم میں سے کوئی شخص یہ پسند کر سکتا ہے کہ جس

گھڑے میں اس نے دودھ ڈالا ہوا ہو اسے توڑ دیا جائے۔ یا تم میں سے کوئی شخص یہ پسند کر سکتا ہے کہ جس مشک میں اس نے پانی ڈالا ہوا ہو اسے چیر دیا جائے یا تم میں سے کوئی شخص یہ پسند کر سکتا ہے کہ جس صندوق میں اس نے خلعتیں رکھی ہوئی ہوں اسے ضائع ہونے دیا جائے۔ جب تم یہ پسند نہیں کر سکتے تو کیا تم خدا تعالیٰ کو ایسا بیوقوف سمجھتے ہو کہ تمہارے دل خدا تعالیٰ کی نورانی خلعتوں کے صندوق بن جائیں' تمہارے دل خدا تعالیٰ کے برکتوں والے علم کے دودھ کے گھڑے بن جائیں' تمہارے دل خدا تعالیٰ کی رحمتوں والے پانی کی مشکیں بن جائیں اور پھر وہ دنیا کو اس بات کی توفیق دے دے کہ وہ تمہارے اس صندوق کو توڑ دے' تمہارے اس گھڑے کو پھوڑ دے اور تمہاری اس مشک کو چیر دے۔ اگر تمہارے دلوں میں قرآن شریف آ جائے' تو یقیناً یقیناً دنیا کی کوئی طاقت تم پر غالب نہیں آ سکتی۔ تم خدا کا خزانہ ہو گے تمہارا مرنا خدا کے دین کا مرنا' تمہاری شکست خدا کے دین کی شکست اور تمہاری بربادی خدا کے دین کی بربادی ہو گی۔ پس ایسا کرو کہ تم میں سے ہر شخص قرآن کریم کے ترجمہ اور اس کے مفہوم سے آگاہ ہو جائے۔ بے شک رمضان میں قرآن شریف سنایا گیا ہے مگر سوال یہ ہے کہ رمضان میں کتنے لوگوں نے قرآن شریف کا درس سنا۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ اس درس میں صرف تیس چالیس عورتیں شامل ہوتی تھیں حالانکہ قادیان میں تین چار ہزار عورتیں ہیں۔ اسی طرح مرد بھی اپنی نسبت کے لحاظ سے کم شامل ہوتے تھے۔ پھر اس طرح کا سنا ہوا درس پڑھے ہوئے کے برابر نہیں ہو سکتا۔ میں مانتا ہوں کہ ساری عورتیں قرآن کریم پڑھ نہیں سکتیں اور ایسا نہیں ہو سکتا کہ کوئی ایک عورت بھی ایسی نہ رہے جسے قرآن کریم نہ آتا ہو مگر یہ تو ہو سکتا ہے کہ عورتوں کو اتنا قرآن سنایا جائے' اتنا سنایا جائے کہ وہ ان کے لئے پڑھنے کے برابر ہو جائے۔ اسی طرح اتنی عورتوں کو قرآن کریم پڑھا دیا جائے کہ ان کی وجہ سے ہر گھر قرآن کریم کا مدرسہ بن جائے اور کوئی لڑکی قرآن کریم کے ترجمہ سے ناواقف نہ رہے۔ اسی طرح آج بے شک ہم ہر مرد کو قرآن کریم نہیں پڑھا سکتے مگر یہ تو ہو سکتا ہے کہ مردوں کو اتنا قرآن سنایا جائے' اتنا سنایا جائے کہ وہ ان کے لئے پڑھنے کے برابر ہو جائے۔ اسی طرح اتنے مردوں کو قرآن کریم پڑھا دیا جائے کہ ان کی وجہ سے ہر گھر قرآن کریم کا مدرسہ بن جائے اور کوئی لڑکا ایسا نہ رہے جسے قرآن کریم کا ترجمہ نہ آتا ہو۔ پھر ہم یہ بھی کر سکتے ہیں کہ ہر شخص کے دل میں قرآن کریم کی اتنی عظمت اور محبت پیدا کر دیں کہ وہ اپنی اولاد کو قرآن کریم کی تعلیم دینا اپنا فرض سمجھے اور

انہیں کہے کہ تمہارے گھر اگر لٹتے ہیں تو انہیں لٹنے دو، تمہاری تجارتیں اگر تباہ ہوتی ہیں تو ان تجارتوں کو تباہ ہونے دو مگر اس خزانے کو اپنے ہاتھ سے کبھی جانے نہ دو کہ اگر یہ خزانہ تمہارے پاس رہا تو سب کچھ رہا اور اگر یہ خزانہ نہ رہا تو تمہارے پاس کچھ بھی نہ رہا۔

میں سمجھتا ہوں ہماری عید واقعی عید ہو جائے اگر ہم میں سے ہر شخص آئندہ قرآن کریم کو پورے طور پر سمجھنے کی کوشش کرے اور اس بات کا عہد کرلے کہ وہ اپنی اولاد کے سینہ میں بھی اس کی صحیح تعلیم کو محفوظ کر دے گا اور اگر وہ قرآن کریم سے عشق رکھتے ہوئے اس کی تعلیم کو اپنی نسلوں کے سینہ میں ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دے گا تو اسے یقین رکھنا چاہئے کہ وہ خود بھی ہر قسم کی بلاؤں اور آفات سے محفوظ رہے گا۔

(الفضل ۲۴۔ اکتوبر ۱۹۴۲ء)

۱؎ مفردات امام راغب زیر لفظ عود

۲؎ سنن ابی داؤد باب اذا وافق یوم الجمعۃ یوم عید

۳؎ صحیح بخاری کتاب الجمعۃ باب الجمعۃ فی القرٰی والمدن و باب الاذان یوم الجمعۃ

۴؎ صحیح بخاری کتاب الجمعۃ باب لا یقیم الرجل اخاہ یوم الجمعۃ و یعقد فی مکانہ

۵؎ صحیح بخاری کتاب الصلٰوۃ باب الصف الاول

۶؎ صحیح بخاری کتاب الجمعۃ باب فضل الجمعۃ

۷؎ صحیح بخاری کتاب الایمان باب اتباع الجنائز من الایمان صحیح بخاری کتاب الجنائز باب فضل اتباع الجنائز..... الخ و باب من انتظر حتّٰی یدفن

۸؎ مسجد مبارک قادیان کی طرف اشارہ ہے جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے بعد بھی توسیع کی گئی تھی۔

۹؎ ابوبکر شبلیؒ ۲۴۷ھ/ ۸۶۱ء۔ ۳۳۴ھ/ ۹۴۶ء

۱۰؎ جنید بغدادیؒ ۲۹۷-۹۸ھ۔ ۹۱۱ء

۱۱؎ تذکرہ صفحہ ۶۲۷،۱۷، ۶۵۹